ابوہلال العسکری

حالاتِ زندگی

از عبدالقیوم نائیک۔ ایم۔ اے۔ (عربک) علیگڑھ۔

وطن : ابوہلال الحسن بن عبداللہ بن سہل بن سعید بن یحییٰ بن مہران[1] عربی زبان و ادب کے ممتاز مصنف ہیں۔ جن کی تصنیفات کی شہرت اکناف عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہ شہر "عسکر مکرم" کے رہنے والے تھے اور اس نسبت سے العسکری کہلائے۔ اس شہر کا مؤسس "مکرم باہلی" تھا۔ مکرم کے بارے میں مؤرخین کی مختلف رائیں ہیں۔ کچھ مؤرخین کا خیال ہے کہ مکرم مُطرف بن سیدان بن عقیلہ بن ذکوان بن حیان بن المحزرق بن خیلان بن جاحن بن مالک بن اعصُر بن سعد بن قیس بن عیلان بن مُضر بن نزار بن معد بن عدنان کا بھائی تھا۔ ابن خلکان نے یہ نسب نامہ ابن الکلبی (متوفی ۲۰۴ھ) کی کتاب "جمہرۃ" سے نقل کیا ہے[2] اگرچہ اس نسب نامہ میں باہلہ کہیں بھی درج نہیں مگر کہا جاتا ہے کہ مکرم باصل "حاوی" سے آیا ہوا تھا۔ اس کو مکرم باہلی الحاوی بھی کہتے ہیں[3]

مکرم کے بارے میں کچھ مصنفین کی رائے ہے کہ "مکرم" مکرم بن معزاء الحارث، بنی حمونہ بن الحارث بن نُمیر بن عامر بن صعصعۃ کا ایک فرد تھا۔ یاقوت الحموی نے حمزۃ الاصفہانی (م ۳۳۰ھ) کی روایت نقل کی ہے کہ "رستقباد" (ایک ساسانی قصبہ، جس کی عربی

---

[1] اسماعیل باشا البغدادی۔ "ہدیۃ العارفین" ۱/۲۷۳۔ انہوں نے ان کے نسب نامہ میں "مہران" کے بعد "ابن احمد بغدادی" کا اضافہ کیا ہے۔

[2] ابن خلکان "وفیات الاعیان" ۱/۱۲۸

[3] مصدر سابق ۱/۱۲۸

اصل رستم کواد ہے) خوزستان کے شہروں میں ایک شہر تھا اُسے عربوں نے صدر اسلام میں فتح کیا تھا۔ اس شہر کے قرب وجوار میں حجاج بن یوسف (م۔ ۹۵ھ) کے ایک آزاد کردہ غلام مکرم بن معزاء الحارث نے اس شہر کی بنیاد ڈالی۔ اور حجاج بن یوسف حاکم عراق نے مکرم بن معزاء الحارث کو خرزاد بن باریس کے خلاف اس کی بغاوت فرو کرنے کے لیے جنگی مہم پر بھیجا تھا۔ دونوں کا آمنا سامنا "اہواز" کے نزدیک مقام "ایذج" پر ہوا۔ مکرم بن معزاء ایک قلعے میں محصور ہوا۔ جو اسی کے نام سے معروف تھا۔ جب مکرم پر حصار کی مدت طویل ہوگئی تو وہ قلعے سے چھپ کر نکلنے میں کامیاب ہوگیا اور عبدالملک بن مروان سے ملنے کے بعد حجاج بن یوسف کے پاس آیا۔ وہاں پر ایک گاؤں تھا یہیں مکرم بن معزاء نے طرح اقامت ڈالی اور جلد ہی یہ مقام ترقی کرتے کرتے شہر بن گیا۔ اور عسکر مکرم کے نام سے مشہور ہوا۔[۱] عسکر مکرم نہر مسکران (موجودہ آب غرغر) کے دونوں کناروں پر واقع تھا اور دو پلوں سے ملا ہوا تھا۔ چوتھی صدی ہجری میں دولتِ آلِ بُویہ میں یہ زرخیز اور معروف قصبہ تھا جس کے کھنڈر عصر حاضر میں بندِ کیر کے نام سے موسوم ہیں۔[۲]

اسی عسکر مکرم میں چوتھی صدی ہجری میں عربی اَدب کے دو جلیل القدر عالم پیدا ہوئے ان میں سے ایک ابو احمد الحسن بن عبداللہ بن سعید بن اسماعیل بن زید بن حکیم اللغوی العسکری (سال ولادت ۲۹۳ھ اور سال وفات ۳۸۲ھ) ہیں اور دوسرے ابو ہلال العسکری جن کا نسب نامہ ابتدائی سطور میں دیا جا چکا۔ لطف کی بات یہ کہ دونوں چوتھی صدی ہجری کے عالم، دونوں عسکر مکرم کے رہنے والے، دونوں لغوی اور ادیب اور مصنف، دونوں

۱۔ یاقوت الحموی: معجم البلدان۔ ۴/۱۲۳-۱۲۴۔

۲۔ Encyclopaedia of Islam vol. I. PP 711, Art "Askar Mukram" (Leiden)

عسکریوں کے درمیان قریبی رشتہ بھی تھا۔ ابو احمد العسکری اور ابو ہلال العسکری کے ساتھ یہ بھی اتفاق ہے کہ دونوں کے حالات زندگی مرتب نہیں ہوئے۔ جو معلومات مختلف مصادر میں منتشر طور پر ملتے ہیں، ان سے ان دونوں کی حیات اور کارناموں کی کوئی واضح تصویر سامنے نہیں آتی۔ قدماء میں سے بھی بہت کم لوگوں نے اُس کے حالات زندگی قلم بند کیے ہیں۔ یاقوت الحموی (متوفی ۶۲۶ھ) نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف معجم الادباء میں پہلے ابو احمد العسکری کے حالات، اور اس کے بعد ابو ہلال العسکری کے حالات زندگی تحریر کیے ہیں۔ اس کے بعد جن مصنفین نے اِن دونوں کا تذکرہ کیا ہے انھوں نے یاقوت کی تصنیف ہی سے استفادہ کیا اور نئے معلومات بہم پہنچانے کی بہت کم کوشش کی۔ یاقوت الحموی نے جس جانفشانی، تفحص و تلاش اور محنت شاقہ سے اِن دونوں کے حالات، جمع کیے ہیں۔ اگر بعد کے مصنفین بھی نئے معلومات حاصل کرنے کی طرف پوری توجہ کرتے تو اس وقت ہمارے سامنے وافر اور تشفی بخش معلومات کی کمی نہ ہوتی۔ لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے ابو ہلال اور ابو احمد دونوں کے حالات زندگی میں اختلاط واشتباہ پیدا ہو گیا ہے[1]

ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں صاحبان کی وفات کے بعد پانچویں صدی کے اواخر اور چھٹی صدی ہجری کے اوائل ہی سے اُن کے حالات زندگی میں خلط ملط ہو گیا ہے[2] بلکہ ایک کی تصنیف دوسرے کی طرف منسوب ہو گئی ہے جیسا کہ لکھا جا چکا ہے دونوں ہم نام، اور دونوں کے باپ ہم نام، اور دونوں عسکر مکرم کے رہنے والے، اس لیے دونوں العسکری ہیں علاوہ ازیں دونوں کا زمانہ اور علمی ادبی رجحان بھی کم و بیش ایک ہی رہا ہے۔ اس اشتباہ و اختلاط کی طرف بعض قدماء کی تصانیف میں صریح اشارہ پایا جاتا ہے۔

---

[1] یاقوت الحموی "معجم الادباء" ۸/۲۵۸

[2] ڈاکٹر جورج قنازع جامع و محقق "دیوان العسکری" ص ۱۱۔ (دمشق ۱۹۷۹ء)

یاقوت الحموی اس سلسلے میں اپنی محنت شاقہ اور دونوں مصنفوں کے حالات خلط ملط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عسکریین ابواحمد اور ابوہلال کے متعلق میری تلاش و تفحص اور لوگوں سے استفسار طول پکڑتا گیا۔ لیکن مجھے اُن کے متعلق صحیح واقفیت بہم پہنچانے والا کوئی نہ ملا۔ یہاں تک کہ میں جمادی الثانی ۶۱۲ھ کو دمشق پہنچا اور وہاں حافظ تقی الدین اسماعیل بن عبداللہ سے اُن کے متعلق دریافت کیا تو اس نے فرمایا۔ کہ جب حافظ ابوطاہر احمد بن محمد بن احمد ابراہیم السلفی الاصفہانی[1] دمشق تشریف لائے تو اُن سے ان مصنفین کے متعلق استفسار حال پر انھوں نے صرف یہ فرمایا تھا کہ" وہ دونوں بڑے عالم اور صاحب فہم و فضیلت تھے"[2]

ابوطاہر السلفی کے ایک رسالے سے جسے یاقوت الحموی نے نقل کیا ہے[3] ظاہر ہوتا ہے کہ ابوہلال اور ابواحمد کے حالات زندگی میں خلط ملط اوائل ہی سے رہا ہے اور یہ برابر رہا جس کی طرف خلیل ابن ایبک الصفدی نے بھی اپنی تصنیف "الوافی بالوفیات" کے مقدمہ میں اشارہ کیا ہے[4] ابن خلکان، ابن الجوزی اور دوسرے سوانح نگاروں نے اگرچہ ابواحمد العسکری کے حالات زندگی بیان کئے ہیں لیکن ابوہلال کو نظرانداز کیا ہے۔ ان دونوں کی زندگیوں کی تفصیلات نہ ملنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی ہے کہ انھوں نے امراء و سلاطین کی سرپرستی حاصل کرنے کی کچھ کوشش نہیں کی۔ اس عہد میں اکثر شاعر یا ادیب کسی نہ کسی طرح اپنے عہد کے امراء سے قریب ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ سرپرستی حاصل کرکے ایک طرف

---

[1] معجم الادباء ۲۴۶/۸۔

[2] المصدر السابق۔ [3] ایضاً

[4] الصفدی۔ "الوافی بالوفیات" ۳۵/۱

وہ امرار وسلاطین کے عطیات سے متمتع ہوتے تو دوسری طرف اپنے حریفوں سے معرکہ آرائی اور منافست میں اُن سے مدد حاصل کرتے۔ اس طرح ان کی شہرت کا نقارہ بجتا۔ ان کی تصانیف کی اشاعت ہوتی۔ اور دُور دُور سے تلامذہ آتے اور فیض حاصل کرکے اپنے وطن واپس جاکر ان کے علم وفضل کا تذکرہ اور پھر دوسرے شائقینِ علم آتے۔ اور وہ بھی مستفید اور ممنون ہوکر واپس جاتے اس طرح مصنفین کی وفات تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ اس لحاظ سے اِن دونوں صاحبوں خصوصاً ابو ہلال کا مزاج بالکل اُس کے برعکس تھا۔ وہ امرار وسلاطین کے درباروں سے وابستہ ہوکر سستی شہرت حاصل کرنا پسند نہیں کرتے اور امرار کی درباداری کو تضیع اوقات سمجھتے تھے۔

شاید ابو احمد کا پہلی مرتبہ صاحب بن عباد کے پاس جانے سے انکار کی ایک وجہ یہ بھی تھی[1] اس سے ایک بڑا فائدہ انھیں یہ پہنچا کہ اُن کے درس وتدریس کا کام بڑے سکون اور خاموشی سے انجام پاتا رہا۔ اور ان کا قلم سکون وخاموشی میں علم وادب کے نئے نئے گل کھلاتا رہا۔

شاعر ہو یا ادیب، مورخ ہو یا فلسفی کسی شخص کے حالات زندگی سے پوری واقفیت حاصل کیے بغیر اس کی زندگی کا کوئی مرقع تیار کرنا اور اس کی تصویر کشی ایک دشوار اور مشکل کام ہے۔ کیونکہ اس کے عہد طفلی اور ابتدائے شباب کے رنگارنگ حالات، جوانی کے مشاغل اور بڑھاپے کی زندگی، نیز اُس کے اخلاق وعادات، اس کا مذہب وعقیدہ، اس کے ادبی تصورات، یہ سب ایسے اہم نکات ہیں جن کی واقفیت کے بغیر ان کے افکار اور تصورات علمی کا تحلیل وتجزیہ بہت مشکل ہوجاتا ہے۔

ابو ہلال العسکری قرون وسطیٰ کے اُن علماء وادبار اور شعراء میں سے ہیں۔ جن کے سنین ولادت ووفات کی تحدید مشکل ہے کیونکہ اُن کے سن ولادت کے متعلق نہ تو خود اُن کی تصانیف

---

[1] معجم الادباء ۸/۲۶۵۔

میں اور نہ اس کے سوانح کے مصادر میں کوئی قطعی صراحت ملتی ہے۔ ابوہلال کا سن ولادت معلوم نہیں اور اس کی تحدید بھی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ ڈاکٹر بدوی احمد طبانہ[1] کی طرح ابراہیم الابیاری اور عبدالحفیظ شلبی[2] جنھوں نے ابوہلال کی تصنیف "المعجم فی بقیۃ الاشیاء" کی تحقیق و تعلیق کی ہے ان سب نے حسب ذیل اشعار کو ابوہلال کی طرف منسوب کر دیئے ہیں اور ان پر اعتماد کر کے اس کا سال ولادت "علی وجہ التقریب" ۳۱۰ھ کو قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے سن وفات کو ۳۹۵ھ مانتے ہیں وہ ابیات یہ ہیں۔

لی خمس وثمانون سنۃ — فاذا قدرتها کانت سنۃ

انما عمر المرء ما قد سرہ — لیس عمر المرء مرّ الازمنۃ[3]

مصنفین ابوہلال کا سال وفات ۳۹۵ھ مانتے ہیں اس طرح اس سے عمر کے ۸۵ وضع کرانے کے بعد سال ولادت ۳۱۰ھ قرار پاتا ہے۔ مگر صورت حال یہ ہے کہ ان ابیات کی ابوہلال کی طرف نسبت ہی مشکوک ہے۔ "دمیۃ القصر" کے طبع اول میں اس کے طابع نے ایک ناقص نسخے کی مدد سے عرصہ ہوا حلب سے شائع کیا تھا۔ یہ دونوں شعر ابوہلال کی طرف منسوب ہیں۔ لیکن اس کے نئے ایڈیشن میں جس کے محقق عبدالفتح محمد الحلو جیسے علامہ ہیں جنھیں "دمیۃ القصر" کے مکمل اور صحیح نسخے دستیاب ہوئے ہیں اور "دیوان العسکری" کے جامع ڈاکٹر جورج قنازع نے ان دونوں شعروں کو پوری تحقیق کے بعد جعفر بن درستویہ الفارسی (م ھ) کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور ابوہلال کی طرف نسبت کو غلط قرار دیا ہے[4]۔

---

[1] ڈاکٹر بدوی احمد طبانہ "ابوہلال العسکری ومقاییسہ البلاغیۃ والنقدیۃ" ص ۱۲۔

[2] ڈاکٹر جورج قنازع جامع "دیوان العسکری" ص ۹۔

[3] الباخرزی "دمیۃ القصر" ص۔ طبع اول

[4] ڈاکٹر جورج قنازع جامع "دیوان العسکری" ص ۱۰۔ (دمشق ۱۹۷۹)

جہاں تک ابو ہلال کے سال وفات کا تعلق ہے یاقوت الحموی پہلے مصنف ہیں جنہوں نے اس کی طرف محتاط طور پر اشارہ کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

"أما وفاته فلم يبلغني فيها شيئٌ غير أني وجدت في آخر كتاب الأوائل من تصنيفه : وفرغنا من إملاء هذا الكتاب يوم الأربعاء لعشر خلت من شعبان سنة خمس وتسعين وثلاث مائة ۔"[1]

" جہاں تک ابو ہلال کے سال وفات کا تعلق ہے مجھے اس کی کوئی اطلاع نہیں ملی البتہ میں نے کتاب الاوائل کے (ایک قلمی نسخے) کے آخر میں یہ لکھا ہوا دیکھا کہ میں اس کتاب کی تصنیف سے چہارشنبہ، ۱۰ شعبان ۳۹۵ کو فارغ ہوا"

اور اسی کتاب میں اس بات کی صراحت بھی ملتی ہے کہ یہ ابو ہلال کی آخری کتاب تھی کیونکہ عمر کا اثر اور ضعف اس پر طاری ہو چکا تھا۔ چنانچہ اپنی اس عاجزی اور کمزوری کا بیان وہ ان الفاظ میں کرتا ہے :

"وأكثر ما أكتب للمحن هذه الاخبار فأني اكتبه من حفظي إذ حال بيني وبين الوصول إلى مظانها من كتبي إستيلاء الضعف وقلة المعين"[2]

بعد کے لوگوں میں حاجی خلیفہ[3] اور اسماعیل باشا البغدادی نے ۳۹۵ھ کو ہی اس کا سن وفات قرار دیا ہے۔[4] ۳۹۵ھ کی تحدید راقم کے خیال میں محتاط علمی طریقہ نہیں ہے۔ یاقوت الحموی نے ابو ہلال کا سال وفات ۳۹۵ھ نہیں لکھا ہے۔ اس نے صرف یہ لکھا ہے کہ اس کی تصنیفات سے کتاب الاوائل کا ایک نسخہ میری نگاہ سے گذرا جس کے خاتمے میں درج تھا کہ " اس کتاب کی املاء سے

---

[1] یاقوت الحموی " معجم الأدباء " ۸/۲۶۴

[2] ابو ہلال العسکری " کتاب الأوائل " ۱/۲۵۲ (دمشق ۱۹۷۵)

[3] حاجی خلیفہ " کشف الظنون " ۱۶۷، ۱۹۹، ۲۳۳ -

[4] اسماعیل باشا البغدادی " هدية العارفين " ۱/۲۷۳

میں یوم چہارشنبہ شعبان کی دس تاریخ ۳۹۵ھ کو فارغ ہوا" اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس تاریخ تک زندہ تھا۔ اس کے بعد کب تک وہ زندہ رہا چونکہ اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملتی اس لیے کچھ کہنا مشکل ہے۔ اس معاملے میں صلاح الدین الصفدی[1] اور محسن الأمین العاملی[2] کا بیان بہت ہی موزوں ہے کہ وہ ۳۹۵ھ تک زندہ تھا۔

متأخر علماء میں علامہ جلال الدین السیوطی[3] اس اطلاع دینے میں منفرد ہیں کہ ابوہلال سنہ ھ کے بعد بقید حیات تھے، لیکن مؤخر الذکر دونوں صاحبان کے سوا ابوہلال کے تمام سوانح نگار ۳۹۵ھ کو اس کا سن وفات مانتے ہیں۔

میرے استاذ مکرم پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کا خیال ہے کہ علامہ جلال الدین السیوطی کے بیان کو بالکل نظر انداز نہیں کر دینا چاہیے اس لیے کہ اس کے پاس اطلاعات کے جو ذرائع تھے اور جو علمی مصادر تھے اور کتب خانہ محمودیہ قاہرہ کے نوادر تھے وہ بہت کم لوگوں کو ملے پھر بعض مخطوطات اس کے مطالعے میں ایسے آئے تھے جو اب دنیا سے فنا ہیں ممکن ہے کسی کتاب میں ابوہلال کا سال وفات اس کی نظر سے گزرا ہو اور اس نے یہ اطلاع وہیں سے لی ہو اور یوں بھی پانچ سالوں کی کمی بیشی کا فرق کوئی بڑا فرق نہیں ہے۔

بہرحال ان کے سنین ولادت و وفات کی تعیین مشکل ہے صرف اسی قدر بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ ابوہلال چوتھی صدی ہجری کے بالکل اوائل میں پیدا ہوئے۔ اور اسی صدی کے بالکل اختتام پر انھوں نے وفات پائی۔ اس طرح موصوف نے اپنی تمام عمر پوری چوتھی صدی ہجری میں بسر کی۔

---

[1] صلاح الدین ایبک الصفدی "الوافی بالوفیات" ۱/۳۵

[2] محسن الأمین العاملی "اعیان الشیعۃ" ۲۲/۱۵۷

[3] جلال الدین السیوطی، "طبقات المفسرین" ۱۰/

ابوہلال فارسی الاصل تھے لیکن بعض دوسرے فارسی الاصل علماء کی طرح عربی زبان و ادب میں انھیں مہارت تامہ حاصل تھی۔ جس کی تصدیق اس کی تصنیفات سے ہوتی ہے۔ ان کی تصنیفات میں کثرت سے فارسی الفاظ پائے جاتے ہیں۔ جن کا انھوں نے معانی بتانے کے ساتھ ساتھ تشریح بھی کی ہے چنانچہ "دیوان المعانی" میں فارسی اور عربی امثال میں موازنہ کیا ہے[۱] اور کتاب الصناعتین میں فارسی کے بہت سے الفاظ کے معانی بیان کئے ہیں[۲] اور کتاب "التلخیص" میں متعدد مفردات کے فارسی اصل کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہ عربی میں داخل ہوئے ہیں۔ چنانچہ اپنے فارسی النسب ہونے پر اپنے فخریہ اشعار میں کہتے ہیں۔ ؎

لهُ شرفٌ فی آلِ ساسان باذخٌ وذِکرہُ بأطرافِ البسیطة شائعُ

"آل ساسان میں وہ ایک اعلیٰ شان و شوکت والا ہے۔ اور اس کا ذکر ہر طرف عام پھیلا ہوا ہے۔"

اسی طرح دوسری جگہ کہتے ہیں:

؎ وقد نمتنی امجادٌ جحاجحةٌ من نجل ساسان تزهو نجل ساسان

هم الکواکب فی أطرافِ داجیةٍ او العنان علی أثباج اعنان

ابوہلال غالباً اہل اصفہان میں سے فارسی الاصل تھے انھوں نے بصرہ اور بغداد میں سکونت اختیار کی اور وہیں رہ کر تعلیم حاصل کی۔ آپ نے اس عہد میں نشوونما پائی جب اسلامی مشرق میں ادبی اور فکری عربی ثقافت اپنی جڑیں مستحکم بنا کر اپنے اوج کمال کے مراحل

---

[۱] ابوہلال العسکری "دیوان المعانی" ۲/ ۸۹

[۲] ابوہلال العسکری "کتاب الصناعتین" / ۷۲، ۷۳، الفاظ برنداج، الحی بأوغیرہ جو فارسی الفاظ ہیں کے معانی بیان کئے ہیں۔ ۲۵۳/ (طبعۃ الاولیٰ ۱۹۵۲ - القاہرہ)

[۳] ابوہلال العسکری: "دیوان المعانی" ۱/ ۸۵ - ۸۹

لے کر رہتی تھی اور موصوف نے اپنے عہد کے ممتاز علماء و شیوخ کے سامنے اپنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اور ادبی و فکری ثقافت کے سیل رواں سے اپنی پیاس بجھائی۔ اس نے ایک اعلیٰ علمی گھرانے میں نشوونما پائی۔ ان کے باپ معروف علماء و شیوخ میں سے تھے۔ ابوہلال کی اپنی تصنیف "المعجم فی بقیۃ الاشیاء" میں اپنے والد کی تحریرات استفادے کی تصریح ملتی ہے جس القنانی سے ایک روایت نقل کی گئی ہے۔[1] قیاس غالب یہ ہے ابوہلال نے بچپن میں اپنے والد سے تعلیم حاصل کی اور اُن کی وفات کے بعد ان کی مؤلفات سے استفادہ کیا۔[2] ابوہلال کے سنِ بلوغت کو پہنچنے سے قبل ہی ان کے والد اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے تھے۔ اسی طرح ابوہلال کے والد کے چچا جن کا نام ابوسعید الحسن بن سعید تھا۔[3] مشہور و معروف علماء و شیوخ میں سے تھے اور ابوہلال نے ان کی مجالس درس میں شرکت کی ہے۔ اور اُن سے کثیر تعداد میں روایات نقل کی ہیں، اس سے یہ بات بھی پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ابوہلال ایک علمی خاندان سے تھے اور یہ خداداد اعلیٰ علمی صلاحیتیں انھیں اپنے آباء و اجداد سے ورثے میں ملی تھیں۔

ابوہلال کے اساتذہ | ابوہلال کے سوانح نگاروں نے صرف اُن کے ایک استاذ مشہور مصنف ابواحمد العسکری کا ذکر کیا ہے۔ جن کے ساتھ ابوہلال نے اپنی عمر کا اکثر حصہ گذارا ہے

---

[1] ابوہلال کا قول یہ ہے "وجدت بخط أبی رحمہ اللّٰہ: قال القنانی: القناعۃ بقیۃ تبقی فی القصعۃ من المرق، وفی الزکرۃ من الشراب"

(بدوی احمد طبانہ: "ابوہلال العسکری ومقاییسہ البلاغیۃ والنقدیۃ" ۲۶/ (الطبعۃ الثانیۃ المصریۃ۔ [2] ابوہلال العسکری: دیوان المعانی: ۱/۱۳۳ (القاہرۃ ۱۳۵۲ھ)

[3] ابوہلال نے جگہ جگہ اپنے باپ کے چچا سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے "سمعت عم ابی"

(ابوہلال العسکری: دیوان المعانی: ۱/۱۲۲، ۱۲۸، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۵۴، ۲۴۳، ۲/۹۲، ۲۰۳، ۲۰۷،

لیکن ابو ہلال کی تصنیفات کے غائر مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے متعدد شیوخ و علماء سے فیض حاصل کیا اور جیسا کہ اوپر اس بات کی توضیح ہو چکی ہے کہ وہ اپنے والد اور والد کے چچا ابو سعید الحسن بن سعید کی مجالس درس میں شریک ہوتے ہیں، اگرچہ ان سے نقل شدہ روایات بہت کم ہیں۔ لیکن ابو احمد کا تذکرہ ابو ہلال کی تصنیفات میں سینکڑوں مقامات پر ملتا ہے۔

ابو احمد العسکری | ابو احمد العسکری لغت وادب اور روایتِ حدیث میں بہت مشہور تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۶ رشوال ۲۹۳ھ کو عسکر مکرم میں ہوئی اور ذی الحجہ ۳۸۲ھ کو انھوں نے وفات پائی۔ آپ نے ابو بکر ابن دُرید (م ھ)، ابو القاسم البغوی (م ھ)، نفطویہ (م ھ)، ابو داؤد السجستانی (م ھ)، ابو جعفر ابن زُہیر (م ھ) سے شعر وادب، لغت ونحو، اور علم روایت حدیث کی تعلیم پائی۔ ابو احمد کو عربی زبان وادب میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ خوزستان اور اس کے نواح کے علاقوں میں درس وتدریس کا کام بھی انھوں نے انجام دیا۔ آپ کے حلقۂ درس میں دُور دراز مقامات سے طلباء شرکت کے لیے آتے تھے[1]۔ موصوف کی علم وادب میں عظمت کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہوگا۔ کہ صاحب بن عباد (م ھ) نے (جو کہ دولت آل بویہ میں مؤید الدولۃ کے وزیر تھے) نے ابو احمد العسکری سے ملاقات کی آرزو کی، اور اب عسکر مکرم جانے کے لیے ایک حیلہ تلاش کیا۔ اپنے حاکم مؤید الدولۃ کو لکھا کہ عسکر مکرم میں بغاوت پھوٹ پڑی ہے اور اس شورش کے ازالہ کے لیے ان کا وہاں جانا ضروری ہے۔ چنانچہ صاحب بن عباد مؤید الدولۃ سے مزید اختیارات حاصل کرکے عسکر مکرم کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور انھیں امید تھی کہ ابو احمد وہاں اُن کی آمد کے منتظر ہوں گے لیکن وہاں پہنچ کر مایوسی ہوئی۔ انھوں نے اپنی خواہش کا اظہار ایک

---

[1] جلال الدین السیوطی: بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ / ۲۲۱ (القاہرہ ۱۳۲۶ھ)

خط لکھ کر کیا۔ یہ خط نثر و نظم پر مشتمل تھا اور ابو احمد نے اس خط کا جواب اسی صاحب بن عباد کے مکتوب کے اسلوب میں دیا۔ نثر کا جواب نثر میں دیا اور اشعار کا جواب وزیر کے مرسلہ اشعار کے وزن و قافیہ میں دیا۔ اس مکتوب میں انھوں نے مشہور مخضرم شاعرہ خنساء کے بھائی صخر بن عمرو بن الشرید السلمی کا یہ مشہور شعر بھی درج کیا تھا۔

أَهُمُّ بِأَمْرِ الحَزْمِ لو استطيعُهُ وَقد حِيلَ بَيْنَ العَيْرِ والنزوانِ[۱]

ترجمہ: میں کسی کام کے لیے پختہ ارادہ کرتا۔ اگر میں اس کے قابل ہوتا۔ اور جنگلی گدھے کو اُچھلنے سے منع کیا گیا ہے یعنی مجھ پر ضعف طاری ہے اور میں کسی کے متعلق پختہ ارادہ کرنے کے قابل نہیں ہوں۔"

صاحب بن عباد نے جب یہ جوابی مکتوب دیکھا اور اپنے اشعار کے وزن و قافیہ پر اشعار پڑھے تو حیرت زدہ رہ گئے۔ اور اُن کے اسلوب تحریر سے بہت متاثر ہوئے بہرحال صاحب بن عباد خود بڑے ادیب اور علم دوست انسان تھے۔ اُن کی جلالت علم کا لحاظ کرکے ابو احمد سوار ہو گئے اور صاحب بن عباد کی ملاقات کے لیے نکلے صاحب بن عباد نے ان کا بہت گرمجوشی سے استقبال کیا اور اُن کی بہت تعظیم و تکریم کی۔ اور اکثر عطیات سے انھیں نوازا۔ ابو احمد کی وفات پر وزیر موصوف کے تاثرات ان اشعار سے ہو سکتا ہے جو ان کی رثاء میں انھوں نے لکھے ہیں۔ اور جن میں ان کی موت کو مفنون

---

[۱] یہ ابیات خنساء کے بھائی صخر بن عمرو بن الشرید السلمی کے اُن ابیات میں سے ہیں جو کہ اس نے اس وقت کہے تھے جب اس کی بیوی اس کی طویل بیماری سے ملال ہو چکی تھی۔ اور جس قصیدے کے پہلے دو شعر یہ ہیں:

أری أمَّ صخرٍ لا تملُّ عيادتي وملّت سُلَيمى مضجعي ومكاني

وأيُّ أمرئٍ ساوى بأمٍّ حليلةً فلا عاش إلّا في شقا وهوانِ

اس کے بعد مذکورہ بالا اشعار آتے ہیں۔

ادب کا فقدان" بتایا ہے۔[۱]

ابو احمد متعدد تصنیفات کے مصنف ہیں[۲] جن میں کتاب التصحیف والتحریف "المصون فی الادب"، "تصحیفات المحدثین" "رسالۃ فی التفضیل بین بلاغتی العرب والعجم" اشاعت پذیر ہو چکی ہیں، ان کی کچھ کتابیں اب بھی غیر مطبوعہ ہیں۔ اور مخطوطات کی شکل میں بعض کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ لیکن ان کی متعدد تصنیفات امتدادِ زمانہ سے ضائع ہو چکی ہیں۔ ابن خیر الاشبیلی صاحب الفہرست نے لکھا ہے کہ ابو احمد کی کتاب "الحکم والامثال" اندلس پہنچی جس سے ابو احمد کو اندلس میں بھی کافی شہرت حاصل ہوئی ہے[۳] ان کا علم بہت وسیع، اور ان کے افکار میں بہت گہرائی تھی۔ ابو احمد العسکری کے دوسرے شاگردوں میں، ابو نعیم الاصفہانی (۳۳۰ھ تا ۴۳۰ھ) ابو عبد الرحمٰن السلمی الصوفی (م ۴۱۲ھ) اور قاضی ابو بکر الباقلانی صاحب اعجاز القرآن (م ھ) مشہور ترین علماء میں ہیں[۴] ان شاگردوں میں سبھوں نے ابو احمد سے فائدہ اٹھایا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ ان کی تصانیف اور اُن کی صحبت سے ابو ہلال مستفید ہوئے ہیں۔ اور کثرت سے اپنے استاذ ابو احمد کی ادبی اور تنقیدی آراء اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں۔

---

۱ صاحب بن عباد کے وہ اشعار حسب ذیل ہیں جو اس نے ابو احمد کے مرثیہ میں انھوں نے کہے ہیں:-

وقالوا مضی الشیخ ابو احمد — وقد سار فوه لیضرب الندّ ب

فقلت ما من فقد شیخ مضیٰ — لکنه فقد فنون الادب

(معجم الادباء ۸/ ۲۵۱)

۲ معجم الادباء ۸/ ۲۳۲؛ وفیات الاعیان: ۱/ ۳۶۵؛ نیز دیکھئے کارل بروکلمان کی تاریخ الادب العربی کا عربی ترجمہ: ۲/ ۲۵۱۔ ۳ "الفہرست" ابن خیر الاشبیلی / ۲۰۲

۴ معجم الادباء: ۸/ ۲۳۶ ــــ ۲۴۰

مؤرخین نے ان دونوں کے درمیان قرابت اور رشتہ داری کا ذکر کیا ہے چنانچہ یاقوت الحموی نے لکھا ہے: "إن أبا هلال كان ابن أخت أبي أحمد"[1] ابو ہلال، ابو احمد کی بہن کا بیٹا تھا۔ ہمارے عہد کے مشہور عالم ڈاکٹر مہدی احمد طبانہ جنھوں نے ابو ہلال کی تنقید پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ یاقوت الحموی کے قول کو صحیح سمجھتے ہیں[2] لیکن مشہور جرمن مستشرق یوہان فیوک نے اس میں شک وشبہ کا اظہار کیا ہے۔ کیونکہ ابو ہلال نے اپنی ان متعدد تصنیفات میں ابو احمد سے ہزاروں روایات نقل کی ہیں لیکن کبھی "خالی" یعنی ماموں کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے[3] جب کہ ابو ہلال نے اپنی تصانیف میں اپنے والد کے چچا ابو سعید الحسن بن سعید سے متعدد بار اپنی قرابت کا اظہار "عم والدی" لکھ کر کیا ہے اور اسی طرح اپنے باپ کے لیے "ابی" لکھ کر قرابت کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن نہ ابو ہلال نے، ابو احمد کے ساتھ اس قسم کی قرابت و رشتہ داری کے اظہار کے لیے "خالی" کا لفظ تک استعمال نہیں کیا۔ یہ کوئی قطعی بات نہیں ہے۔ لیکن پروفیسر یوہان فیوک کی رائے دعوتِ فکر ونظر ضرور دیتی ہے۔

ابو ہلال نے اپنی تصانیف میں متعدد علماء وشیوخ سے واسطہ اور تعلق کا اظہار کیا ہے۔ اور ان سے متعدد روایات نقل کی ہیں۔ جن میں بعض علماء وشیوخ کے نام یہ ہیں۔ (۱) ابو بکر (۲) ابو حامد[4]۔ (۳) ابو خلیفہ[5] (۴) ابو علی الحسن بن ابو حفص[6] (۵) عبدالحمید بن محمد بن

---

۱ معجم الادباء: یاقوت الحموی ج ۸ ص ۲۶۳۔

۲ ابو ہلال العسکری ومقاییسہ البلاغیۃ والنقدیۃ ص ۲۷

۳ Encyclopaedia of Islam, Vol I PP. 71. Art. 'Abū Hilāl al Askari (1973 Leiden)

۴ دیوان المعانی ۲۷/۱

۵ دیوان المعانی ۱۹۲/۱

۶ ان کا ذکر جمہرۃ الامثال اور دیوان المعانی میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔

یحییٰ بن ضرار (۶) ابو القاسم عبد الوہاب بن محمد الکاغدی[۱] (۷) عبد الوہاب بن احمد الکاغدی[۲] (۸) ابو القاسم بن شیران الفقیہ[۳] (۹) محمد بن یوسف، ابو طاہر[۴] (۱۰) یوسف الامام[۵] وغیرہ

مذکورہ بالا علماء و شیوخ ابو ہلال کے وہ اساتذہ ہیں، جن کے حلقہ درس میں ابو ہلال نے شرکت کی[۶] اور جن کی صحبت میں رہ کر انھوں نے اپنی تعلیم کی تکمیل کی، اور جس سے ان کی فہم و فراست میں پختگی پیدا ہوئی۔ ان اساتذہ سے ابو ہلال نے مختلف علوم عقلیات و نقلیات حاصل کیے۔ ادب، لغت اور تنقید میں خاص طور پر قدرت حاصل کی۔ انہی اساتذہ کی علمی کاوشوں، اور ان کی صحبت کے زیر اثر اس کی اعلیٰ علمی صلاحیتیں ابھر کر سامنے آگئیں۔

ابو ہلال نے اپنی عمر کا اکثر و بیشتر حصہ مختلف علوم کے حصول میں صرف کیا جس کی واضح دلیل اس کی وہ تصانیف ہیں جو اس عہد کی مختلف الالوان ثقافت و تہذیب سے بھرپور ہیں۔ اپنے تحصیل علم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وَلَيَالٍ أَطَلْنَ مُدَّةَ دَرْسِي . مِثْلَمَا قَدْ مَدَدْنَ فِي عُمْرِ لَهْوِي . مَرَّ لِي بَعْضُهَا بِفِقْهٍ وَنَعْتٍ . بَعْضُ شِعْرٍ أَخَذْتُ فِيهِ وَنَحْوِ . وَحَدِيثٍ كَأَنَّهُ عُقَدُ رَيَّا . بِتُّ أَرْوِيهِ لِلرِّجَالِ وَتَرْوِي[۷]

ترجمہ: اور راتوں نے میرے درس و تعلیم کی مدت کو طویل کیا جس طرح میری زندگی میں لہو و لعب کو بڑھایا۔

---

[۱] ن کا نام کتاب الاوائل اور دیوان المعانی متعدد مقامات پر آیا ہے۔

[۲] جمہرۃ الامثال۔

[۳] کتاب الکرماء۔ ص ۱۸۔

[۴] دیوان المعانی ۲/۱۸۴۔

[۵] کتاب الصناعتین۔

[۶] ابو ہلال العسکری ومقاییسہ البلاغیہ والنقدیۃ۔ ص ۲۵

[۷] دیوان المعانی۔

اس میں میں نے کچھ مدت فقہ کی تعلیم میں گزاری۔ اور کچھ مدت شعر و ادب اور نحو کے حاصل کرنے میں۔ احادیث رنگ برنگے موتیوں والے ہار کی طرح نہیں جن کو میں لوگوں سے روایت کرتا۔ اور وہ مجھ سے روایت کرتے۔

اساتذہ کا دوسرا طبقہ | ابو ہلال کے اساتذہ کا دوسرا طبقہ اُن علماء و شیوخ کا ہے جن کے علمی و ادبی آثار و تصانیف سے انھوں نے استفادہ کیا ہے۔ ابو ہلال بہ ظاہر ان کے درس میں شریک نہیں ہوئے۔ اُن کی صحبت میں نہیں رہے۔ لیکن اُن کے گرانقدر تنقیدی، ادبی اور علمی آراء سے مستفید ضرور ہوئے ہیں۔

ان میں کچھ ابو ہلال سے متقدم اور کچھ اُن کے معاصر بھی تھے[1] جس کی طرف ہمیں واضح اشارہ اُن کی کتابوں میں ملتا ہے اُن علماء و شیوخ کی جو تصنیفات ابو ہلال کے تصانیف کی اہم اور بنیادی مصادر سے ہیں۔ ان میں جاحظ کی البیان والتبیین اور کتاب الحیوان ہے، اول الذکر کتاب اس کی تصنیف کتاب الصناعتین کا اہم ماخذ ہے۔ قدامہ بن جعفر کی "نقد الشعر" الآمدی کی "الموازنة بين الطائيين" عبدالعزیز الجرجانی کی "الوساطة" اور ابن المعتز کی "کتاب البدیع" قابلِ ذکر ہیں۔ اگرچہ ابو ہلال نے ان سے استفادہ کی طرف واضح اشارہ اپنی تصانیف میں نہیں کیا ہے، مگر اس بات کا ہمیں ثبوت مل جاتا ہے کہ اُس نے بالواسطہ اُن سے استفادہ کیا ہے، اور اُن کے خیالات سے بہت حد تک متاثر تھا ہے۔ اُن علماء و شیوخ سے ابو ہلال نے زیادہ تر نقد و بلاغت میں استفادہ کیا ہے۔

ابو ہلال کے شاگرد | یاقوت الحموی اور الباخرزی نے ابو ہلال کے متعدد شاگردوں کا ذکر کیا ہے۔

(۱) ابو سعد السمان (المتوفی ۴۴۳ھ) ان کا نام اسماعیل بن علی الرازی ہے۔ انھوں نے عراق، مکہ، مصر اور شام میں تعلیم پائی۔ وہ قرأت، حدیث اور فقہ کے عالم تھے۔ اور اپنے عہد کے معتزلی علماء میں سے ایک تھے۔

---

[1] ابو ہلال العسکری ومقاييسه البلاغية والنقدية۔ ص ۴۷۔

ہلال کے دوسرے مشہور شاگرد ابو اسحٰق ابراہیم بن علی کا نام آتا ہے۔ جو کہ مشہور
نوی عالم تھے۔ اور ابوعلی الفارسی اور السیرافی کے بھی شاگرد رہے ہیں۔ اُن کے
الغانم بن حماد بن المقری۔ ابوحکیم، احمد بن اسماعیل العسکری، المظفر ابن طاہر
لاسترا باذی وغیرہ بھی کا ابو ہلال کے شاگردوں میں نام آتا ہے۔[۱]

ذہب | ابو ہلال کے مصادر سوانح اس کی تصانیف اور اشعار میں اس کے دینی
رف کوئی اشارہ نہیں ملتا ہے اور نہ ابو ہلال کے سوانح نگاروں نے اس پہلو سے
کی ہے سوائے "اعیان الشیعۃ" کے مصنف محسن الامین العاملی نے یہ مسئلہ
اور دو مختلف رائیں پیش کی ہیں - فاضل مصنف نے امام رضا صدر مؤلف
ۃ وفنون الاسلام" کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس نے جلال الدین السیوطی
" طبقات المفسرین" کے حاشیہ میں ابو ہلال کا شیعہ ہونا ثابت کیا ہے۔ لیکن اس
لیے یہ دلیل پیش کی ہے کہ ابو ہلال، ابو احمد عسکری کا شاگرد تھا اور صاحب اعیان الشیعۃ
بو احمد شیعہ تھا اور ایک مشہور شیعہ امام محمد بن علی بن بابویہ کا استاذ بھی تھا۔ اس لیے
سکری کو بھی شیعہ ہونا چاہیے۔ دوسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ ابو ہلال، ابو احمد کی بہن
بو احمد اس کا ماموں تھا، ماموں شیعہ تھا تو بھانجے کو شیعہ ہونا چاہیے۔ اس کی
ضروری ہے کہ استاذ کے شیعہ یا کسی فرقے کے ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس کا
بھی یا اُسی فرقے سے ہو۔ اُستاد ایک فرقے کا ہو۔ تو طالب علم کسی دوسرے فرقے کا
ہے۔ چنانچہ ابو احمد کے شاگرد مختلف مذاہب اور فرقوں کے تھے، قاضی ابوبکر الب
تھے اور ابو ہلال کے ایک دوسرے شاگرد ابو سعد السمان بھی اپنے عہد کے معروف

ذیار۔ ۱/۲۰۴، ۲۰۵ — ۸/۲۶۰
یۃ القصر، ص - ۱۵۵
ن الشیعۃ، ۲۲/۱۵۵

معتزلی علماء میں سے تھے۔ جب کہ یہ معلوم ہے کہ ابو احمد العسکری کا کوئی تعلق اعتزال سے نہیں تھا۔ اور پروفیسر یوہان فیوک کے نزدیک کے درمیان رشتہ داری ہی سرے سے زیر بحث ہے۔ محسن الأمین العاملی کی ایک اور متضاد رائے یہ بھی ہے کہ شیخ آغابزرک اصبہانی، صاحب "الذریعة" نے اپنی تصنیف میں کہیں بھی ابوہلال کی تصانیف کا ذکر نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے شیعہ ہونے سے واقف نہیں تھا[1] لہٰذا ابوہلال کا شیعہ ہونا ان کے نزدیک بھی متحقق نہیں۔

اب ذرا اس بات پر بھی تھوڑی دیر غور کریں کہ کیا ابوہلال اعتزال کی طرف مائل تھا۔؟ جس طرح اس کے شیعہ ہونے کا دعویٰ کیا گیا۔ اسی طرح اس کے معتزلی ہونے کا بھی دعویٰ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا شاگرد ایک بڑا معتزلی عالم ابوسعد السمان تھا۔ اور "کتاب الصناعتین" کے مقدمے میں معتزلہ کے بنیادی اصول علم ابلاغت کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور توحید کے بعد تمام علوم پر مقدم ٹھہرایا ہے۔ لیکن بعض مسائل پر اور مختلف فرقہ کے لوگوں کے متعلق اس کی تصانیف میں اس کے خیالات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابوہلال کسی مذہبی یا طبقاتی تعصب سے کوسوں دور اور آزاد فکر و خیال کا آدمی تھا۔ نہ وہ شیعہ تھا اور نہ معتزلی تھا بلکہ سُنّی تھا۔

ابوہلال بہت ہی خوددار، پاک دامن، اور اخلاق کریمانہ کا مالک تھا اس کو ظاہری نمود و نمائش اور امراء و سلاطین سے چاپلوسی اور تملق سخت ناپسند تھی۔ اس نے کسب معاش میں اپنے ہاتھ سے محنت کی اور فقر و احتیاج کی زندگی کو برداشت کیا لیکن اپنے علم و ثقافت کو کسب معاش کا ذریعہ بنانا گوارا نہ کیا۔ اس پر کسی قسم کا حرف نہ آنے دیا۔ وہ اپنے ہاتھ کی کمائی کو زیادہ بہتر سمجھتا تھا۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں اس کی تصانیف میں اس نے علماء کے استبداد

[1] اعیان الشیعة ۲۲/۱۵۵۔ صاحب "الذریعة" نے صرف شیعہ علماء کی تصانیف کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔

امراء و دولت مندوں کے بخل اور کنجوسی کے خلاف سخت برہمی کا اظہار کیا ہے۔ کیونکہ ابوہلال بخوبی اس بات سے واقف تھا کہ لوگوں کا ایک دوسرے کے سامنے دست سوال دراز کرنا انھیں کمزوری اور ضعف پیدا کرتا ہے، اور سست بن کر شکست کھاتے ہیں۔

کسی شاعر نے ابوہلال کے مدح میں ابوہلال کے اسی نظریے کے اشعار پیش کیے ہیں۔ جو قوم اس کی عادی ہوجاتی ہے وہ کبھی کامیابی اور ترقی کے راستے پر نہیں چل سکتی۔

۵ وَاَحسنَ ما قرأتُ علی کتابٍ بخطِّ العسکریِّ ابی هلالِ
فَلَو اَنّی جُعِلْتُ اَمیرَ جَیشٍ لما قاتلتُ اِلّا بالسؤالِ
فَاِنَّ النّاسَ یَنْهزمون منہُ وَقَدْ ثبتوا لاُطرافِ العوالی[۵]

ترجمہ: میں نے ایک کتاب میں ابوہلال کے ہاتھ کے لکھے نہایت خوبصورت شعر دیکھے ہیں کہ وہ اگر میں فوج کا سربراہ بنایا جاؤں تو میں سوال کرنے والوں کے بغیر کسی سے جنگ نہیں کروں گا۔

"کیونکہ لوگ اس سے شکست کھا جاتے ہیں اور کمزوری اور مفلسی کے شکار ہوجاتے ہیں۔

یہ چیز، قوم خصوصاً علماء کے لیے مہلک اور خطرناک ہے۔"

ابوہلال نے کپڑوں کی خرید و فروخت کے تجارت کو اپنے کسبِ معاش کا ذریعہ بنایا تھا۔ بغداد اور بصرہ کے بازاروں میں اس کی تجارت کرتا تھا۔ لیکن حرص و طمع اور فضول خرچی سے سخت اجتناب کرتا تھا[۵۲] ابوہلال نے نہایت اعتدال اور بہت ہی سادہ زندگی بسر کی۔ اپنے اس محدود تجارت میں اس سے نہ اتنی وافر مقدار میں دولت حاصل ہوئی کہ جس سے عیش و عشرت کی زندگی گذار سکے اور نہ اتنی قلیل کہ جس سے جینا بھی مشکل ہوجائے۔ وہ اپنی علمی منزلت سے خوب واقف تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ مختلف علوم و فنون میں کمال حاصل ہونے کے باوجود وہ زندگی کی بہت سی نعمتوں سے محروم ہے چنانچہ جب وہ اپنے محدود وسائل زندگی کو دیکھتا اور

---

۵۱ معجم الادباء: ۸/ -

۵۲ معجم الادباء: ۸/ -

معاشی تنگی محسوس کرتا تو اس کا اظہار اپنے اشعار کے ذریعے کر کے اپنے غم و رنج کا بوجھ ہلکا کرتا۔ مثال کے طور پر یہ قطعہ پڑھیے۔

۵۔ اذا کان مالی مالَ مَنْ یلقط العجمْ وحالی فیکم حالَ من حاک او حجم
فاین انتفاعی بالأصالة والحجی وما ربحت کفّی علی العلم والحکم
ومن ذا الّذی فی الناس یبصر حالتی فلا یلعن القرطاس والحبر والقلم[1]

اپنے عہد کے علماء اور علم کے ضیاع سے وہ سخت غمگین ہوتا ہے چنانچہ وہ ایسے لوگوں اور اپنے زمانے سے سخت برہم ہیں کیونکہ لوگ اہل علم اور صاحب فن کے قدردان نہیں وہ اپنے بزرگوں اور علماء کی تذلیل و اہانت کرتے ہیں۔ اُن کی تعظیم نہیں کرتے۔ اس کے برعکس وہ کمینوں اور لئیموں کو اہمیت دیتے ہیں۔ اچھوں اور بُروں کی تمیز نہیں کرتے۔ ابو ہلال کے ذیل کے اشعار میں زمانہ اور اہلِ زمانہ کا شکوہ ہے۔[2]

جُلُوسِی فی سوقٍ أَبِیعُ وَأَشْتَرِی دلیلٌ علی أنّ الأنامَ قُرُودُ
وَلَا خَیْرَ فِی قومٍ تَذِلُّ کِرَامُهُمْ وَیُعَظَّمُ فیهم نَذْلُهم وَیَسُوْدُ
وَیَهْجُوْهُمْ عَنِّی رَثَاثَةُ کُسْوَتِی هِجَاءً قبیحًا مَا عَلَیْهِ مَزِیْدُ

"میرا بازار میں خرید و فروخت کے لیے بیٹھنا اس بات کی دلیل ہے کہ لوگ بندر ہیں۔ قوم میں کوئی بھلائی نہیں جو اپنے بزرگوں کی تذلیل و اہانت کریں۔ اور کمینے لوگوں کی تعظیم کریں اور اُنھیں سردار بنائیں۔" "میرے اِن پھٹے پُرانے کپڑوں کی ایسی سخت ہجو کرتے ہیں کہ اس پر اضافہ ممکن نہیں۔

ابو ہلال کے سوانح نگاروں نے ان کے اس قسم کے اشعار سے اُن کے فقر و تنگ دستی پر محمول کیا ہے۔ اور اپنے زمانہ اور اہل زمانہ پر برہمی کے اظہار کو اس کی محتاجی اور مفلسی کا نتیجہ

[1] خزانۃ الأدب۔ للبغدادی۔ ۱/۲۳۱۔ بغیۃ الوعاۃ۔ للسیوطی۔

[2] معجم الأدباء۔ ۸/۲۶۱-۲۶۲۔ دمیۃ القصر۔ ۱۵۵۔ خزانۃ الأدب ۱/۲۱۳

ابا خذری ابو ہلال کے مدّاح نظر آتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ ذرا یہ دیکھو کہ ابو ہلال کا مرتبہ کیا ہے۔ وہ باتیں کیسی بیان کرتے ہیں۔ اور غور کرو کیا اس کے بازار میں دوکان لگا کر بیٹھنے سے اس کے فضل اور بزرگی میں کوئی کمی پیدا ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ فضلاء کی جماعت میں وہ ایک نمونہ تھے۔ اُن فضلاء میں نصر بن احمد الخبزا ارزی (م ھ) ابو الفرج الواواء الدمشقی۔ (م ھ) اور السری الرفاء الموصلی تھے (م ھ) قابل ذکر ہیں[1]

معلوم ہوتا ہے کہ متعدد اشعار میں ابو ہلال نے اپنی فقر و احتیاج کا شکوہ کیا ہے۔ وہ اشعار ابو ہلال نے اپنی زندگی کے اس دور میں کہے ہیں جس میں یقیناً وہ ایسی ہی صورتحال سے دوچار تھا۔ اور تجارت میں بہت زیادہ فائدہ حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اس کی زندگی تلخ کامیوں سے بھری تھی۔ جب کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ اُن کے دوسرے معاصر علماء و ادباء بغیر محنت و مشقت کیے امراء و سلاطین کی مدح طرازی کر کے اُن کے عطیات سے لطف اندوز ہو کر عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ بہر حال زمانے کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی فقر ہوتا ہے تو کبھی دولت آجاتی ہے کبھی انسان زندگی میں صاحب ثروت ہوتا ہے اور کبھی اس کو فقر و احتیاج کے دن بھی دیکھنے پڑتے ہیں۔ اسی طرح ایک دن کی ابو ہلال کی زندگی کا خوشحال دور بھی آتا ہے۔ مختلف مطعومات اور ماکولات وافر مقدار میں میسر ہوتی ہیں اور ان سے وہ شاد کام ہوتے ہیں۔ یہ دور فقر و احتیاج کے دور سے ذرا مختلف ہوتا ہے۔ اب وہ اپنے دوست و احباب کو اپنے گھر کے طعام و شراب کی دعوت پر بلانے لگتا ہے۔ اور لوگوں سے زیادہ سے زیادہ فراخدلی سے پیش آنے لگتا ہے۔ مجالس احباب میں مشروبات کے جام لنڈھائے جاتے ہیں۔ لذیذ اور متنوع مطعومات و ماکولات سے دستر خوان سجے رہتے ہیں۔ اس خوشحالی اور فارغ البالی کا اثر اس کے دل و دماغ پر بھی پڑتا ہے تو دل میں اسی خوشی کے ساز بجنے لگتے ہیں۔ ابو ہلال اسی دور کی ایک طعام و شراب کی مجلس کا ذکر ان اشعار میں کرتا ہے:

۵ كُنْتُ أستعجل السدامى | والنار تستعجل القدور بماء
وقد أتاني العلام يسعى | بأرغف تشبه البدور وماء
وعندما قهوة شمول | وقطعت صبوت شدود ماء
تكون قبل المزاج نارا | فانقلبت بالمزاج بوراء
فاقبض إلى سرعة الينا | ننثر على نفسك السرور وماء[۱]

اسی طرح اس کے اپنے متعدد اشعار میں ماکولات اور مجالس عیش وطرب کی لذتوں کا ذکر ملتا ہے۔ ڈاکٹر جورج قنازع کہتے ہیں کہ ابو ہلال کی تصنیفات میں بعض ایسے اشارے واضح طور پر ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بعض رؤسار کی اعانت میں رہے ہیں لیکن ان کی زندگی کے جو مصادر موجود ہیں اُن میں اُس کے متعلق کچھ نہیں پایا جاتا ہے[۲] چنانچہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"واللهُ يَعْلَمُ أني أخذ مه ما لضمير خدمة لو تصورت له لسراها الرائي روضاً ممطوراً أو وشياً منثوراً ......"[۳]

دیوان المعانی کے ایک فصل جس کا عنوان "المدائح على مذاهب الكتاب" ہیں اپنے ایک مکتوب میں ایک بزرگ رئیس کی توصیف کی ہے کہ وہ پاکدامن صاحب شرف ومنصب ہے اچھے عادات واخلاق کا مالک ہے اور حسب ونسب میں فائق ہے اور صحیح العقیدہ ہے اور دوسری جگہ ایک دار کے عطیات وعنایات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وقامت التوقيع في معنى المعيشة فنصور لي الغنى بصورته وقابلني بصدق مخيلته، وعرفت أنّ الدهر قد غضت جفونه ونامت عيونه

---

[۱] دیوان المعانی - ۱/ ۲۹۵

[۲] دیوان العسکری، محقق وجامع۔ دکتور جورج قنازع - ص ۱۸- ۱۹ - (دمشق ۱۹۷۹)

[۳] دیوان المعانی - ۲/ ۲۵۱

وتنحت عن ساحتی خطوبه . وهذه نِعَمٌ أعيا بذكرها فكيف أطمع في أداء شكرها، بل عسى أن يكون الاعتراف بقصوري الشكر عنها شكراً لها، ومقابلة بما خلقنّ الي مضادتا معترف بذا الك [1]

ہاں اس کے کچھ اشعار ایسے بھی موجود ہیں جن میں اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ ابو ہلال کسی حاکم کی خدمت میں ملازمت کرتا تھا۔ اس نے ابو ہلال کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا ہے ابو ہلال کی قربت سے بہت ملول اور پریشان ہوا۔ یہاں تک کہ اس کی قربت کو وہ ذلّت داہانت سمجھنے لگا۔ چنانچہ کہتا ہے :

ع یا لهف نفسی علیٰ زمانٍ ضیَّعتهُ حیرةً وجهلاً
لزمت فيه اللئيم حتىٰ ملالت من قربه ومللا
خدمتُهُ فاستفاد عزّاً بخدمتی واستفدتُ ذلا
وليس ما قد لقيتُ بِدعاً من صحب النذل صار نذلا [2]

ترجمہ: اے میرے نفس افسوس اس زمانے پر جس کو میں نے حیرت و جہالت میں ضائع کیا۔ اس مدّت میں، میں ایک کمینے کے ساتھ رہا۔ یہاں تک کہ اس کی قرابت سے میں ملول و پریشان ہوا۔ میں نے اس کی خدمت کی۔ اور اس نے میری خدمت سے عزت پائی۔ میں نے اس کی خدمت سے ذلت پائی۔ اب جو کچھ میں نے پایا۔ یہ کوئی نئی چیز نہیں تھی بلکہ کمینے کی صحبت میں رہ کر انسان کمینہ ہی بن جاتا ہے۔"

ان اشعار و اقتباسات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ابو ہلال کا تعلق کسی رئیس سے کچھ ہی دن کے لیے ضرور پیدا ہوا تھا۔ لیکن ہمارے سامنے ایسی کوئی واضح دلیل موجود نہیں ہے۔ جس سے ہم کسی ایک خاص امیر کی نشاندہی کر سکیں جس کی بارگاہ میں ابو ہلال

---

[1] دیوان المعانی ۲/۴۷۔
[2] دیوان العسکری۔ ص ۸۷، (دمشق ۱۹۷۹ء)

ہمیشہ باریاب رہا ہو۔

ابو ہلال نے "دیوان المعانی" کے ایک فصل "المدیح علی مذھب الکتاب" میں خود کو ایک کاتب شمار کیا ہے۔ اور اپنا ایک اقتباس نثری مدح میں سے مثال کے طور پر پیش کیا ہے[۱] جس میں اس نے دوسرے کتاب کے نثری رسائل کو نمونے کے طور پیش کیا ہے اس سے ہمارے دعویٰ کو مزید تقویت ملتی ہے۔

صاحب بن عباد، ابو احمد سے ملاقات کے لیے عسکر مکرم آئے۔ تو ابو احمد کے ساتھ اس کے شاگرد ابو ہلال بھی صاحب بن عباد سے ملنے گئے۔ وہیں ابو ہلال کو ان سے تعلق پیدا ہوا۔ اور صاحب بن عباد نے اُن کی بہت تعظیم و تکریم کی۔ ابو احمد کی وفات تک ان پر وافر مقدار میں عطیات بھی دیے۔ ابو ہلال اور صاحب بن عباد کے درمیان یہ گہرا تعلق ابو ہلال کی تصانیف خصوصاً "دیوان المعانی" اور "کتاب الصناعتین" میں واضح طور پر نمایاں ہے، اور ابو ہلال نے وزیر موصوف کی مدح میں متعدد اشعار کہے ہیں۔ لیکن اس سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ ابو ہلال، صاحب بن عباد کے دربار سے منسلک تھے۔ پھر یہ تعلق تھوڑی مدت تقریباً پانچ چھ سال رہا ہے۔ کیونکہ صاحب معجم الادباء کے مطابق صاحب بن عباد ۳۷۹ کو عسکر مکرم آئے[۲] اور اس کے تین سال بعد ۳۸۲ھ میں ابو احمد کی وفات ہوئی۔ اور اس کے صرف تقریباً دو سال بعد ۳۸۵ھ میں صاحب بن عباد کی وفات ہوئی۔

یہاں اس بات کی وضاحت مناسب ہوگی کہ ڈاکٹر زکی مبارک کا یہ کہنا قرین صواب نہیں کہ صاحب بن عباد اور ابو ہلال کے درمیان تعلق "کتاب الصناعتین" میں صاحب

---

[۱] دیوان المعانی - ۲/۱۰۲

[۲] دیوان العسکری ص - ۲۱ - (دمشق ۱۹۷۹)

بن عباد کے اقوال سے بکثرت ادبی استشہاد اور امثال کے بیان کی بنا پر تھا۔[1]
کیونکہ ہم یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ "کتاب الصناعتین" وزیر موصوف کی وفات کے تقریباً آٹھ نو سال بعد تصنیف کی گئی ہے جب کہ "کتاب الصناعتین" کے مؤلف نے اس کے خاتمے پر کتاب کی تالیف سے تاریخ فراغت ۳۹۴ھ بتائی ہے اور صاحب بن عباد کی اس سے کئی سال پہلے ۳۸۵ھ میں وفات پا چکے تھے۔ "چنانچہ "کتاب الصناعتین" کے خاتمہ پر ابو ہلال لکھتے ہیں:

"وفرغت من تالیفه ورصفه وتصنیفه فی شهر رمضان سنة أربع وتسعین وثلاثمائة"۔[2]

بہر حال "کتاب الصناعتین" میں صاحب بن عباد کے امثال و شواہد کو ادبی نصوص پر بطور استشہاد پیش کرنا اس دعوی کے لیے کافی دلیل نہیں ہو سکتیں۔ ابو ہلال صاحب بن عباد کو اپنے اشعار میں کبھی ابو القاسم، جو کہ اس کی کنیت تھی کبھی اس کے لقب "کافی الکفاۃ"، اور کبھی اس کے اصل نام اسماعیل کے نام سے ذکر کرتا ہے۔

یوں تو ابو ہلال کے مدحیہ اشعار و مقطوعات میں تو متعدد نام پائے جاتے ہیں۔ مثلاً یحیٰی، ابن عیسیٰ، ابو طاہر، ابن احمد، ابی علی، احمد بن محمد اور بنی زید[3] اور کبھی کبھی بعض مدحیہ مقطوعات میں ممدوح کا نام تک بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن مدحیہ مقطوعات میں متعدد ممدوح کے اسماء اس بات کے مظہر ہیں کہ کسی نہ کسی کے پاس کسی نہ کسی منصب کے وظائف ضرور انجام دیے ہیں۔

---

[1] معجم الأدباء - ۸/ ۲۵۱ -

[2] کتاب الصناعتین - ص ۴۹۳ (دار احیاء الکتب العربیة - عیسی البابی الحلبی وشرکاہ، طبعة الاولی) ۱۹۵۲ء

[3] کتاب الصناعتین ص ۴۶۱، ۴۶۲

[4] دیوان المعانی ۱/ ۱۸۰، ۱۹۳، ۲۰۱، ۲۱۱، ۲۱۶

مدحیہ مقطوعات کی طرح اس کے ہجویہ مقطوعات میں ایسے اشخاص کے نام بھی پائے جاتے ہیں جن کی تعیین نہیں ہو سکی مثلاً اس نے عمر، ابو عمرو۔ ابو منصور، ابو القاسم، ابن القاسم، ابن عروۃ، محمد اور فضل کی ہجو کی ہے[1] یہ سب غیر معروف رہے ہیں۔ اس نے جاریۃ سوداء کی ہجو کی ہے۔ اور صاحب لحیۃ دعواد کی بھی ہجو میں اشعار موزوں کیے ہیں[2]

معلوم ہوتا ہے کہ ابو ہلال کو اواخر عمر میں اپنی ماضی کی زندگی کا سخت احساس تھا اور اپنی جوانی اور بڑھاپے سے بہت رنجیدہ اور ملول ہوا تھا۔ اُسے عہد جوانی کی خلیاں یاد آتی ہیں اور اب انھیں احساس تھا کہ عہد شباب میں وہ کچھ اچھے کام کر جاتے مگر اب بڑھاپا طاری ہو چکا ہے، اور جوانی کا زمانہ گذر چکا ہے جو کہ واپس نہیں آنے والا ہے اور اب وہ چیز (یعنی بڑھاپا) آئی ہے جو کہ واپس ہونے والی نہیں ہے اب اس حالت میں نہ کسی طبیب کی دوا سے اس کو شفا حاصل ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے اس حالت میں اب صرف موت کے انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں:

قد تخطاك شبابٌ ولغشاك مُشيبٌ
فأتى ما ليس يمضي ومضى مالا يؤوبٌ
فتأهب لسقام لَيْسَ يَشْفِيْهِ طبيبٌ
لا تَوَهَّمْهُ بعيداً إنّما الآتي قريبٌ[3]

جوانی نے تمہیں خطا کار بنا دیا۔ اور اب بڑھاپے نے تمہیں گھیر لیا ہے۔
اب وہ چیز آئی ہے جو گذرنے والی نہیں۔ اور وہ چیز چلی گئی ہے جو واپس آنے والی نہیں ہے۔
اب تجھے وہ بیماری عطا کی گئی ہے جس کو طبیب بھی شفا نہیں دے سکتا۔

---

[1] دیوان المعانی ۱/۱۸۰، ۱۹۳، ۲۰۱، ۲۱۱، ۲۱۲

[2] دیوان المعانی ۱/۲۰۳، ۲۰۵، ۲۱۰، ۲۱۳-۲۱۵

[3] معجم الادباء ۸/۲۶۰

تو اسے وُمد خیال نہ کر، بلکہ وہ عنقریب ہی آنے والی ہے۔

ان اشعار سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ ابو ہلال، قوی الاعتقاد اور زاہد تھا۔ اپنی زندگی کبھی معاشی تنگنائیوں کی باعث یاس و قنوطیت اور کبھی عیش و عشرت میں گزارنے کے بعد اپنی ماضی کی زندگی پر کبھی کبیدہ خاطر نہیں ہوئے لیکن اگر انھیں رنج و افسوس ہے تو صرف ماضی کی زندگی پر کبیدہ خاطر ہیں۔ ابو ہلال کی خانگی زندگی کے متعلق کوئی واقفیت بہم نہیں پہنچ سکی۔ نہ اس کے متعلق مصادر سوانح میں کچھ درج ہے اور نہ اس کی اپنی تصنیفات اور شعری کلام میں کوئی اشارہ ملتا ہے نہ ہمیں اس کی ازدواجی زندگی کے متعلق کچھ معلوم ہے اور نہ اس کی اولاد کے متعلق کوئی واقفیت بہم پہنچتی ہے۔ ابو ہلال کی زندگی اِن قلیل اور بکھرے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ اور لوگ دونوں ابو ہلال کے خلاف زندگی بھر رہے۔ لیکن اس کی سخت محنت اور علمی کاوشوں نے اس کی تصانیف کی شکل میں ابو ہلال کے ذکر شہرت کو خلود بخشا۔ زمانہ گذرتا رہا۔ مؤرخین آتے رہے اور ابو ہلال اس کی تصانیف میں ہمیشہ کے لیے زندہ رہے، ابو ہلال کی نشو و نما اس عہد میں ہوئی جب کہ فکری اور ادبی ثقافت اسلامی مشرق میں اپنے عروج کے مراحل طے کر رہی تھی۔ اس عہد میں ابو ہلال نے اہل فکر و ادب علما، و شیوخ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر کے علوم عقلیہ کے زیر اثر، (جن علوم کا اس عہد میں دور دورہ تھا) اپنی عقل سلیم سے مختلف الألوان ثقافت اور ادب کی تکمیل کی۔ جو ادب اپنے عہد کی مختلف معروف ثقافتوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھا اس ادب میں گہری فکر، معانی و خیال کی دقت، جادو بیانی، مختلف طرز بیان، اور مختلف فنون ادا (جو شعر و نثر میں یکساں ہیں) پائے جاتے ہیں۔ اسی ادب کا کثیر حصہ ابو ہلال نے اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔ اس عہد میں دو قسم کے نثر تھے۔ ایک ادبی نثر۔ اور دوسرا علمی نثر[1]

---

[1] الکرماء۔ محقق عبدالمنعم خفاجی۔ ص۔ ۳۰۔ ۳۱۔ طبقہ الادبی قاہرہ ۱۹۵۲ء

ادبی نثر کے خصائص ابو ہلال نے اپنی تصنیف "کتاب الصناعتین" میں بیان کیے ہیں، اور علمی نثر اسی کتاب کے اسلوب سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ادبی نثر میں دقت فکر، جمال ادا، جادو بیانی، اور مزاحیہ تعبیر پائی جاتی ہے۔ اور علمی نثر میں عاطفہ اور خیالی تعبیر کی کمی ہوتی ہے۔ اس میں علمی حقائق کی تعبیر کا اسلوب اختیار کیا جاتا ہے۔

اعلان

میری والدہ ماجدہ صاحبہ (اہلیہ جناب حضرت مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۴۰۶ھ کو ایک سال ہو رہا ہے ان کے لیے ایصالِ ثواب، بلندئ درجات اور مغفرت کی دعاء فرمائیں۔ تمام دینی مدارس میں اساتذہ اور طلبہ سے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اپنے دینی مدارس میں ایصالِ ثواب اور قرآن خوانی کا خصوصی طور پر اہتمام فرمائیں۔ میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔

(صاحب زادہ) عمید الرحمن عثمانی۔